مارچ ۲۰۲۶ء

# پاک جمہوریت

وزارتِ اطلاعات ونشریات کا جریدہ

جلد :66 شمارہ:03

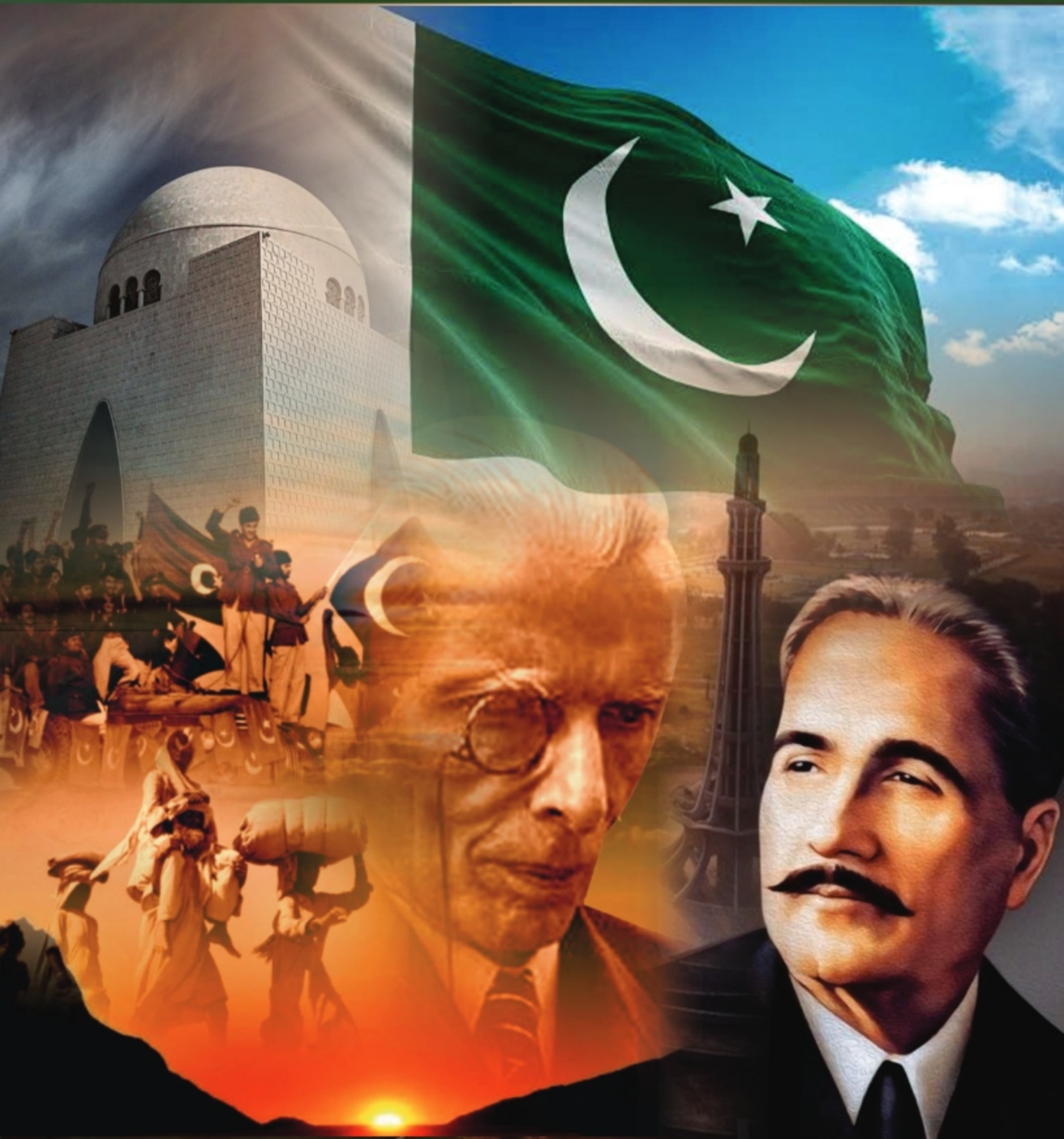

مارچ ۲۰۲۶ء

# پاک جمہوریت

وزارتِ اطلاعات و نشریات کا جریدہ

جلد:66 شمارہ:03

| | | | |
|---|---|---|---|
| | اداریہ | | ۵ |
| ۱۔ | سابق وزیراعظم کی صحت اور سیاست | رباب زہرا | ۶ |
| ۲۔ | موسمی نقل مکانی یا خاموش بے دخلی؟ وادی تیراہ کا سوال | امتیاز احمد تارڑ | ۱۳ |
| ۳۔ | آئی ای ڈیز سے مربوط حملوں تک بلوچستان میں عسکریت پسندی کا ارتقاء | کنول افتخار | ۱۸ |
| ۴۔ | بسنت خوشیوں بھرا ثقافتی تہوار رنگوں کی بہار، تحفظ کی ڈور ہر بار | محمد زکریا | ۲۳ |
| ۵۔ | سیاست اور کھیل تصادم | ناصر نقوی | ۳۰ |

نگران اعلیٰ: ثمینہ فرزین
نگران: محمد سلیم
مینجنگ ایڈیٹر: شہیرہ عباس

ایڈیٹر: مائرہ جاوید
ڈیزائنر: محمد وسیم

ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز،
291۔اے، ایم اے جوہر ٹاؤن لاہور

انتظامیہ: 042-99333909
مدیر: 042-99333912
email:editor@pakjamhuriat.org

# انتباہ

ادارے اور میگزین ''پاک جمہوریت'' کا مقصد عوام الناس کو آگاہ کرنا اور بہترین مواد مہیّا کرنا ہے۔ البتہ شمارے میں شامل تمام مضامین مصنفین کی ذاتی آراء پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا ادارے یا ادارے کے کسی فرد پر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

# اداریہ

پاکستان کئی دہائیوں سے دہشت گردی کی لعنت کا سامنا کر رہا ہے۔ بی ایل اے اور ٹی ٹی پی جیسے دہشت گرد گروہ جب بھی موقع پاتے ہیں تباہی مچاتے ہیں۔ جعفر ایکسپریس پر حملے سے لے کر آئی ای ڈی دھماکوں تک ان کی سرگرمیوں میں تیزی آ رہی ہے۔ پاکستانی افواج انہیں ختم کرنے کے لیے دن رات کام اور جدوجہد کر رہی ہیں۔ دہشت گردی سے متعلق ایک اور پہلو یہ ہے کہ تیراہ وادی کے سرحدی علاقوں سے لوگوں کو نقل مکانی کروایا جا رہا ہے۔ یہ علاقہ دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہ اور ان کا ٹھکانہ سمجھا جاتا ہے۔ اس انخلا کو سیاسی رنگ دیا جا رہا ہے اور حکومت کو اس پر تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس طرح کے ہتھکنڈے قلیل النظر ہیں اور اس حلف کے منافی ہیں جو قانون سازوں نے اٹھایا تھا۔

اگر ہم روشن پہلو کی طرف دیکھیں تو لاہور شہر میں بسنت کا تہوار منایا جا رہا ہے۔ دیگر شہروں بلکہ بیرونِ ملک سے بھی لوگ اس تقریب میں شرکت کے لیے لاہور آ رہے ہیں۔ یہ خوشی اور ساتھ ہی آمدنی کے حصول کا بھی ذریعہ ہے۔ کرکٹ ایک اور کھیل ہے جو عوام کے دلوں پر راج کرتا ہے، لیکن بھارت نے اس میں سیاست شامل کر دی ہے جس کے نتیجے میں یہ جنٹلمین گیم ایک اعصابی جنگ میں تبدیل ہو گئی ہے۔ ہمارے سابق وزیرِ اعظم صحت کے کچھ مسائل کا سامنا کر رہے ہیں اور اپوزیشن ان مسائل کو سیاست کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ پاکستان تمام رکاوٹوں پر قابو پا کر ایک خوشحال مستقبل کی جانب گامزن ہوگا۔

شکریہ

ایڈیٹر پاک جمہوریت

# سابق وزیراعظم کی صحت اور سیاست

رباب زہرا

(مصنفہ ملکی اور بین الاقوامی امن اور احترام انسانیت کے حوالے سے مختلف اخبارات اور رسائل کے لیے لکھتی ہیں)

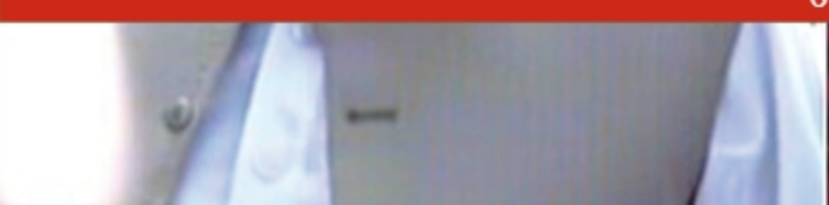

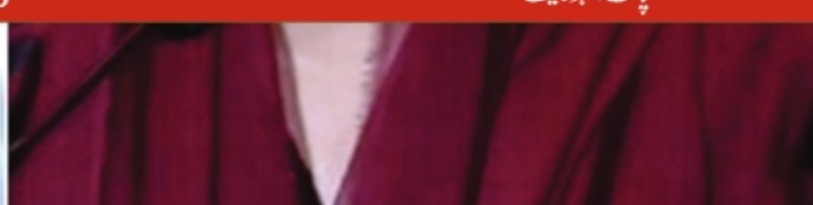

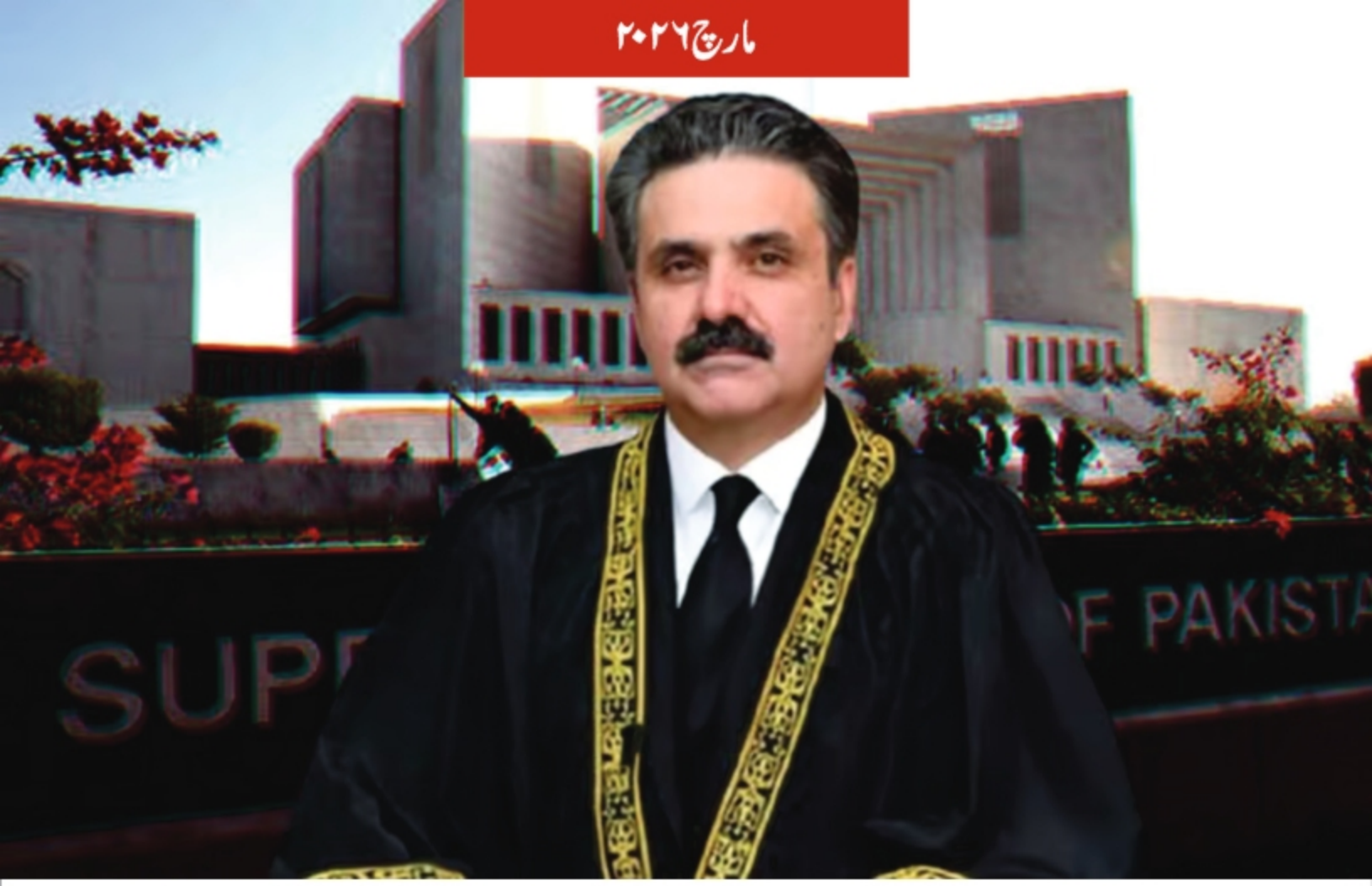


مملکت خداداد پاکستان میں سیاست دانوں کی صحت کا مسئلہ کبھی بھی ذاتی نہیں سمجھا گیا بلکہ سیاسی علامت ہی تصور کیا گیا۔ اگر سابق وزیراعظم عمران خان کی صحت کے حوالے سے میڈیا، سوشل میڈیا پر جاری بحث کا تجزیہ کیا جائے تو ذاتی صحت ہی نہیں ریاستی اور سیاسی بیانیہ بھی ایک دوسرے سے وابستہ دکھائی دیتے ہیں۔ سابق وزیراعظم کرپشن مقدمات اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزام میں اس وقت اڈیالہ جیل میں عدالتی سزا کے تحت قید ہیں۔ ابتدا میں اٹک جیل میں بھی سرکاری مہمان رہے لیکن دو سال سے زیادہ قید کو پرکھنے کی کوشش کریں تو دوران مقدمات اور قید سب سے زیادہ ان کی صحت ہی زیر بحث آئی۔ ان دنوں ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہے کیونکہ ان کی ہمشیرہ ڈاکٹر عظمیٰ خان نے معاہدے کے خلاف ورزی کرتے ہوئے ملاقات کو عمران خان کے حوالے سے سیاسی رنگ دے دیا تھا۔ ایسے میں پی۔ ٹی۔ آئی اور تحریک تحفظ آئین پاکستان نے پہیہ جام ہڑتال کی کال دے دی لہذا جیل حکام اور حکومت نے عدالتی حکم اور معاہدے کی خلاف ورزی پر ملاقاتوں کا سلسلہ بالکل بند کر دیا۔ نہ کسی بہن کی ملاقات ہوسکی، نہ ہی وکلا اور سیاسی رہنماؤں کی، حکومت اور اپوزیشن دونوں آمنے سامنے رہے لیکن چیف جسٹس آف پاکستان یحیٰ آفریدی نے اچانک لطیف کھوسہ کی درخواست برائے عمران خان تک رسائی پر خان صاحب کے وکیل سلمان صفدر کو فرینڈ آف کورٹ مقرر کر کے جیل، صحت اور حالات کی تفصیلی رپورٹ مانگ لی انہوں نے سات صفحات میں 20 پیراگراف پر ایک رپورٹ عدالت میں جمع کرادی۔

ساڑھے تین گھنٹے کی اس ملاقات کے بعد پہلی خبر یہ ملی کہ عمران خان ماشاءاللہ تندرست وتوانا ہے لیکن دوسرے ہی روز سلمان صفدر کی تردید آ گئی کہ میں نے کب کہا عمران خان صحت یاب ہے؟ جس سے یہ احساس بڑھا کے سابق وزیراعظم مکمل طور پر صحت یاب نہیں۔ ان کی آنکھ کی تکلیف پر علاج کے لیے پمز ہسپتال اسلام آباد لے جانے کا شور بھی مچ چکا تھا اس لیے کہ ذمہ داروں نے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے خبر چھپائی بلکہ زوردار تردید بھی کی پھر بیانیہ آیا کہ انہیں ان کی مرضی کے مطابق آنکھ کے علاج کے لیے ہسپتال لے جا کر پروسیجر کیا گیا اور وہ اب مکمل صحت یاب ہیں۔ ملکی سیاست میں صحت کے مسائل نے ماضی میں ریلیف کے لیے مرکزی کردار ادا کیا ہے اس لیے لمحہ موجود میں بھی خراب صحت کو سیاسی بیانیے سے جوڑا جا رہا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ صحت کے معاملات پر سوشل میڈیا پر ڈالرز کے پجاریوں نے تواتر سے ایسی معجزاتی رپورٹس اور بیانات کو ہوا دی کہ علیمہ خان خرابی صحت اور قید تنہائی پر مضبوط موقف رکھنے کے باوجود پمز علاج کے سلسلے میں بہک گئیں۔ انہوں نے ابتدا میں حکومت سے پہلے اسے جھوٹی خبر قرار دیتے ہوئے عمران خان کے تندرست ہونے کی تصدیق کر دی تھی عمران خان کی سیاسی زندگی پاکستان کے دیگر حکمرانوں کے مقابلے میں بالکل مختلف ہے۔ وہ دنیائے کرکٹ کے سپر سٹار کی حیثیت سے سیاست میں آنے سے پہلے بھی غیر جماعتی انتخابات میں جنرل ضیاءالحق کے پسندیدہ امیدوار برائے وزیراعظم تھے لیکن ان کے الیکشن نہ لڑنے پر پیر آف پگاڑا کی سفارش پر محمد خان جونیجو کی لاٹری نکلی۔ پھر بھی کرکٹ کے میدان سے اقتدار کی کرسی تک عمران خان خود پسندی میں اپنے آپ کو مضبوط اور توانا قیادت کے طور پر ہی پیش کرتے رہے۔ دوران قید ان کی صحت سیاسی بیانیے کی مستقل بنیاد سمجھی جاتی ہے لیکن سرکار کا دعویٰ ہے کہ انہیں نہ صرف طبی سہولیات حاصل ہیں بلکہ آدھی درجن ڈاکٹرز ان کا طبی معائنہ اور ضروری ٹیسٹ بھی کراتے ہیں۔ انہیں جیل میں اخبارات، ٹی وی، باورچی، ورزش مشین دی گئی ہے اور ان کی منشا کے مطابق کھانا بھی ملتا ہے وہ اچھا کھاتے ہیں اور اچھا پہنتے ہی نہیں بلکہ اپنی مرضی سے واک اور ورزش بھی کرتے ہیں۔ اسی لیے عدالتی حکم کے مطابق سیل کی توسیع بھی کرائی گئی تھی، جیل حکام کا دعوی ہے کہ وہ قید تنہائی میں ہرگز نہیں۔

> حقیقت یہی ہے کہ 73 سالہ سابق وزیراعظم جب سے قید ہیں ان کی جماعت اور رہنما یہی الزام لگاتے ہیں کہ دلیر اور بہادر عمران خان کو ظلم و جبر اور سہولیات سے محروم کر کے مایوس کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن وہ پرعزم ہیں اور حقیقی آزادی کی جنگ عوامی و ملکی مفاد میں جاری رکھیں گے اس کے باوجود الزامات لگائے گئے کہ انہیں سلو پوائزننگ کی جا رہی ہے انہیں مار دیا جائے گا۔ صحت کے مسائل نے انہیں جسمانی طور پر کمزور کر دیا ہے یہی نہیں سوشل میڈیا نے انہیں مار دینے کی بھی خبر دے دی، جو بھارتی چینلز پر ہارٹ کیک بنی رہی۔ تاہم غلط ثابت ہوئی، تازہ ترین اطلاعات کے مطابق وہ نفسیاتی پریشانی کا شکار ہیں، ملاقاتوں کی بندش نے انہیں چڑچڑا کر دیا ہے آنکھ کی تکلیف میں کمی ہوئی لیکن مکمل علاج کے لیے انہیں کم از کم دو بار پمز لے جایا جائے گا تاہم ان کی بہنیں اور پارٹی رہنما سرکاری رپورٹ سے ہرگز مطمئن نہیں ہیں۔

اگر جیل کے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی نہ کی جائے تو ان کی ملاقاتیں بھی کرائی جاسکتی ہیں تاہم ہفتے میں ایک مرتبہ سابق خاتون اول بشریٰ بی بی سے ملاقات بھی کرائی جاتی ہے۔ تاہم ان کی جماعت سیاسی رہنماؤں اور وکلا کی جانب سے تواتر سے یہ بات دہرائی جاتی ہے کہ

حکومت اور جیل حکام ان کی صحت کے مسائل پر توجہ نہیں دیتے بلکہ سنجیدہ ہی نہیں ہیں۔ جبکہ انہیں دانت، کان اور آنکھ کے مسائل پیش ہیں اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ حکومت اور اپوزیشن کے بیانات میں کسی قسم کی ہم آہنگی موجود نہیں، تو بے جا نہ ہوگا لیکن ماضی کا جائزہ لیا جائے تو ریاست میں زیر حراست سیاسی افراد کی صحت کے حوالے سے ہمیشہ نہ صرف تنازعہ رہا بلکہ یہ ایک دیرینہ مسئلہ ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کی سروے رپورٹس کے مطابق بھی ملک کی جیلوں میں طبی عملے کی کمی، ادویات کی عدم دستیابی اور ہسپتالوں تک بروقت رسائی ہمیشہ چیلنج بنی رہی ہے کیونکہ جیل کی گنجائش سے زیادہ قیدی اور طبی سہولیات محدود ہی نہیں، طبی ماہرین کی کمی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتیں۔ ایسے مشکل حالات میں کسی بھی معروف سیاسی رہنما کی صحت پر سوال اٹھنا ایک فطری عمل ہے اور اس کا اثر نہ صرف فرد بلکہ مجموعی سیاسی فضا پر ہمیشہ پڑتا ہے اور اس میں موجودہ دور کے سوشل بریگیڈ نے کئی گنا اضافہ کردیا ہے۔

سابق وزیراعظم اپنے سوشل بریگیڈ کو دور حاضر کا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں اور اس کو باقی تمام سیاسی پارٹیوں سے ہی نہیں، حکومت سے بھی زیادہ بطور حکمت عملی استعمال کرنے کا گر جانتے ہیں۔ یہ عمران خان کی صحت کا معاملہ اب محض ہمدردی یا تشویش تک محدود نہیں رہا بلکہ

اسے علامت بنا کر بھرپور انداز میں سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس سے حکومت اور اداروں پر تنقید بھی کی گئی اور یہ اس قدر زبان زد عام بنا کہ عام قیدیوں کے بنیادی حقوق کے حوالے سے صحت کی سہولیات پس منظر میں چلی گئیں لیکن یہ تو حقیقت ہے کہ انسان اور انسانی حوالوں سے سیاسی یا ذاتی اختلافات کے باوجود صحت ایک بنیادی حق ہے قیدی عام شہری ہو کہ سابق وزیراعظم کیونکہ آئین پاکستان اور

قانون سب کے لیے برابری کا تقاضا کرتا ہے اس حوالے سے بہت سے سوالات نے جنم لیا۔ مختلف اوقات میں بانی کی بہنوں، وکلا اور سیاسی رہنماؤں نے ملاقات کر کے ان کی قابل رشک صحت اور پرعزم ہونے کے سینکڑوں مرتبہ دعوے کیے بلکہ یہ بھی درجنوں مرتبہ کہا گیا کہ ان کی صحت کی خرابی کو سوچی سمجھی سازش کے تحت ان کے پرستاروں اور کارکنوں کو مایوس کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی خبروں میں صداقت نہیں، کارکن مطمئن رہیں، حقیقی آزادی کے لیے قید و بند کی صعبتیں دلیری اور بہادر سے برداشت کر رہے ہیں ان حلقوں کا یہ بھی دعوی تھا کہ ایسی افواہیں ان کے وفاداروں کے حوصلے پست کرنے کی کاروائی ہے جو کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ اقتدار سے اترنے کے بعد عمران خان پہلے سے بھی زیادہ مقبول لیڈر بن چکے ہیں حکومت اور طاقتوروں نے انہیں خوفزدہ ہو کر بے جرم و خطا جیل میں ڈالا ہوا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ سابق وزیراعظم کی صحت، قید تنہائی اور سہولیات کے نعرے بیانیہ ہمیشہ اس وقت منظر عام پر آیا جب جب ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہوا۔ ملاقاتوں کے دوران صرف ان کا اچھا برا، حکومت اور اسٹیبلشمنٹ مخالف بیانیہ اخبارات، چینلز اور سوشل میڈیا کی زینت بنتا تھا لیکن جب

**چونکہ عمران خان نے سلمان صفدر سے اپنی ساڑھے تین گھنٹے کی ملاقات میں دو اہم شکایات کیں ان کا دعوی تھا کہ میں نے جیلر عبدالغفور انجم سے دائیں آنکھ کے بارے میں بار بار علاج کا تقاضا کیا، اکتوبر 2025 میں بھی شکایت کی لیکن اس نے توجہ نہیں دی۔ نئے جیلر ساجد بیگ کی موجودگی میں پمز لے جا کر پروسیجر کرایا گیا پھر بھی آنکھ سے پانی مسلسل بہہ رہا ہے۔ میری دائیں آنکھ کی بینائی 85 فیصد ضائع ہوگئی ہے لہذا کھانا، پانی، ورزش سہولیات، چہل قدمی اور بہترین سیکیورٹی کی تمام باتیں پس پشت رہ گئی اور صحت پر زوردار سیاست ایک مرتبہ پھر شروع ہوگئی۔ سابق وزیراعظم کی ہمشیرہ علیمہ خان، کے۔ پی وزیراعلی سہیل آفریدی اور سلمان اکرم راجہ نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے سخت زبان استعمال کی اپوزیشن اتحاد نے بانی سے ملاقات اور بانی کے مکمل علاج تک پارلیمنٹ کے باہر دھرنا دینے کا اعلان کر دیا۔**

بھی ملاقاتوں کا سلسلہ ٹوٹا ان کی صحت اور قید تنہائی کو سیاسی بیانیہ ہی بنایا گیا اس طرح پاکستان بلکہ اوورسیز میں بھی سابق وزیراعظم کی صحت کے حوالے سے سوالات اٹھائے گئے۔ ایسے میں اگر عمران خان کی صحت واقعی خطرے میں تھی تو اس کا غیر جانبدارانہ اور شفاف جائزہ لے کر عوام کو حقیقی صورتحال سے آگاہی دینی چاہیے تھی لیکن وہ سزایافتہ قیدی ہیں، اس لیے انہیں عدالتوں کے ہی رحم وکرم پر چھوڑا گیا صحت کے حوالے سے پٹیشن بھی دائر کی گئی لیکن ملکی عدالتی نظام کے تاخیری حربے رکاوٹ بنے اور ابہام میں اضافہ ہوا جس پر اپوزیشن اور تحریک انصاف نے صحت کے مسائل پر شور برپا کر کے اسے سیاست کے لیے بہترین موقع سمجھا۔ آخر کار رکن قومی اسمبلی لطیف کھوسہ توشہ خانہ ٹو میں مشاورت کے لیے درخواست لے کر چیف جسٹس آف پاکستان کے دورکنی بینچ کے سامنے عمران تک رسائی حاصل کرنے کے لیے پہنچے۔ عدالت نے سرکار کو نوٹس دے کر اٹارنی جنرل اور ذمہ داروں سے صورتحال پر آگاہی حاصل کرنے کے لئے بانی کے وکیل سلمان صفدر کو فرینڈ آف کورٹ مقرر کر کے قید تنہائی، سہولیات اور صحت کے حوالے سے ایک جامع رپورٹ طلب کی۔ سلمان صفدر نے انتہائی پیشہ ورانہ ذمہ داری سے سات صفحات اور 20 پیراگراف پر رپورٹ عدالت میں جمع کرادی۔ ساڑھے تین گھنٹے کی اس ملاقات کے بعد پہلی خبر یہ ملی کہ عمران خان ماشاءاللہ صحت وتوانا ہیں لیکن دوسرے روز ہی سلمان صفدر کی تردید آگئی کہ میں نے کب کہا کہ عمران خان صحت یاب ہیں؟ جس سے یہ احساس بڑھا کہ سابق وزیراعظم مکمل طور پر صحت یاب نہیں۔ کے۔ پی صدر اور رکن قومی اسمبلی جنید اکبر نے پورے صوبے میں احتجاج کی کال دے دی جبکہ وزیراعلی سہیل آفریدی نے مطالبہ کیا کہ سابق وزیراعظم اور مقبول سیاسی رہنما کے خلاف طبی دہشت گردی ہو رہی ہے ذمہ داران سنجیدہ اقدامات کریں اپوزیشن لیڈر محمود اچکزئی نے دعوی کیا کہ حکومت کے سامنے مطالبات رکھیں گے اگر کچھ غلط ہوا تو ذمہ دار حکومت ہوگی۔

وفاقی وزیر اطلاعات عطا تارڑ اور حکومتی وزراء رانا ثناءاللہ، طلال چوہدری اور دیگر نے اپنے ردعمل میں کہا کہ صحت پر سیاست کر کے ہمدردی کارڈ نہ کھیلیں۔ بانی کی بینائی کتنی متاثر ہوئی اس کا فیصلہ کوئی وکیل نہیں کر سکتا ماہر ڈاکٹرز کریں گے فرینڈز آف کورٹ کی رپورٹ نے بانی سے بدسلوکی کا جعلی بیان خاک میں ملا دیا ابہام دور ہو گئے ہیں۔ سابق وزیراعظم کی صحت پر سیاست نہ کریں تادم تحریر ماہرین چشم ڈاکٹرز کی

تصدیق شدہ رپورٹ منظر عام پر نہیں آئی لیکن امکانات بھی یہی ہیں کہ 85 فیصد بینائی ضائع ہونے کا دعوی بھی سیاسی بیانیہ ہی ثابت ہوگا لیکن سابق وزیراعظم کی صحت اور سیاست کی بحث یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیا ہماری سیاست، سیاسی انداز اور ذمہ داروں کے رویے انسان کو انسانیت کے حوالے سے عزت دینے کے قابل نہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر مستقبل میں بھی ماضی کی طرح صحت کے مسائل کو سیاسی ہتھیار بنائے رکھا جائے گا حالیہ معاملات سب کے سامنے ہیں جس کا مطلب یہی ہے کہ اگر ہم نے انداز نہ بدلے تو سیاست میں صحت پر سیاست کا چلن نہیں بدلے گا۔ جس سے سیاسی اور جمہوری بحران میں اضافہ ہوسکتا ہے کمی ہرگز نہیں آئے گی جبکہ عوامی ترقی وخوشحالی، جمہوری اقدار اور ریاستی استحکام کے لیے ایسا کرنا زہر قاتل ہے۔

# موسمی نقل مکانی یا خاموش بے دخلی؟

## وادی تیراہ کا سوال

امتیاز احمد تارڑ

(کالم نگار اور اینکر ہیں، اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں)

## وادیٔ تیراہ (ضلع خیبر)

وادی تیراہ پاکستان کے شمال مغربی صوبے خیبر پختونخواہ کے قبائلی اضلاع میں واقع ایک تاریخی اور جغرافیائی طور پر اہم وادی ہے۔ یہ وادی خیبر ایجنسی (موجودہ خیبر ضلع) کا حصہ رہی ہے اور برصغیر کی قدیم تجارتی اور فوجی راستوں میں ایک کلیدی مقام رکھتی ہے۔ وادی تیراہ اپنی قدرتی خوبصورتی، سرسبز پہاڑوں، اور تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ عسکری اور سکیورٹی مسائل کے حوالے سے بھی جانا جاتا ہے۔ وادی میں تقریباً 1 لاکھ سے 5 اعشاریہ ایک لاکھ کے درمیان آبادی مقیم ہے، جو زیادہ تر پشتون قبائل پر مشتمل ہے۔ اس کی آبادی زراعت، حیوانات کی پرورش، اور غیر رسمی کاروباری سرگرمیوں پر انحصار کرتی ہے، جبکہ نوجوانوں میں نوکری کی تلاش اور روزگار کے مواقع کی کمی ایک دیرینہ مسئلہ ہے۔

وادی تیراہ کا موسم دیگر شمال مغربی علاقوں کی طرح شدید اور متنوع ہے۔ گرمیوں میں درجہ حرارت معتدل اور خوشگوار رہتا ہے، پہاڑوں کی سرسبزی اور ندی نالوں کی موجودگی علاقے کو سیاحتی لحاظ سے بھی پرکشش بناتی ہے۔ تاہم سردیوں میں وادی شدید سرد اور برفباری کی لپیٹ میں آ جاتی ہے، جس کے باعث زرعی سرگرمیاں رک جاتی ہیں اور عام شہریوں کے لیے روزمرہ کا معمول مشکل ہو جاتا ہے۔ سردیوں میں وادی کے لوگ روزگار کے حصول کے لیے مشرق کی جانب، خاص طور پر جنوبی پنجاب، سندھ یا خیبر پختونخواہ کے بڑے شہروں کی طرف ہجرت کرتے ہیں، جہاں وہ تعمیرات، کاروبار، یا دیگر غیر رسمی شعبوں میں کام کر کے موسم کی سختیوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ موسمی نقل مکانی وادی تیراہ کی سماجی و اقتصادی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے اور ہر سال اس کی روایتی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔

یہ گروہ وادی کے بعض دور دراز علاقوں کو اپنی چھوٹی چھوٹی فوجی اور سپلائی بیس کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے سکیورٹی آپریشنز کی منصوبہ بندی اور نفاذ بہت پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ حالیہ برسوں میں وادی تیراہ میں سکیورٹی صورتحال پر قابو پانے کے لیے متعدد آپریشنز کیے گئے ہیں۔ ان میں حالیہ ردّ الفتنہ اور دیگر انسدادِ دہشت گردی کی کارروائیاں شامل ہیں، جن میں پاکستان آرمی، فرنٹیئر کور اور دیگر قانون نافذ کرنے والے ادارے حصہ لیتے ہیں۔ ان کارروائیوں کا مقصد دہشت گرد گروہوں کی قیادت، تربیتی کیمپ، اسلحہ ذخائر اور آپریشنل صلاحیتوں کو ختم کرنا ہوتا ہے تاکہ وادی میں قیامِ امن ممکن بنایا جا سکے۔ آپریشنز کے دوران انٹیلی جنس پر مبنی اقدامات، سرچ اور کلیئرنس آپریشنز اور مقامی رہنماؤں و قبائلی سربراہان کے ساتھ تعاون کو ترجیح دی جاتی ہے۔ حالیہ آپریشنز کے نتیجے میں وادی میں عسکریت پسندوں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی ہے، تاہم انسانی جانوں کے نقصان اور عام شہریوں پر اثرات کے حوالے سے چیلنجز باقی ہیں۔ عسکری کارروائیوں کے ساتھ ساتھ وادی کے لوگوں کی روزمرہ زندگی متاثر ہوتی ہے، خاص طور پر ان افراد کی جو سردیوں میں روزگار کے لیے دیگر شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ دہشت گردی کے خوف اور محدود معاشی مواقع کی وجہ سے وادی میں نوجوانوں کی تعلیم، صحت اور سماجی ترقی کے امکانات محدود رہتے ہیں۔ وادی تیراہ کے مسائل صرف سکیورٹی اور عسکری پسندی تک محدود نہیں ہیں۔ یہاں کی بنیادی انفراسٹرکچر، تعلیم اور صحت کے شعبے بھی کافی پسماندہ ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں کی کمی، صحت کے بنیادی مراکز کی محدود دستیابی، اور سڑکوں و مواصلاتی نظام کی ناقص صورتحال وادی کے لوگوں کے معیارِ زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقامی نوجوان روزگار کے لیے باہر ہجرت کرنے پر مجبور ہیں، اور بعض اوقات عسکری گروہوں کے ساتھ منسلک ہونے کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

**وادی تیراہ میں جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے عسکریت پسندوں اور دہشت گردوں کے لیے محفوظ پناہ گاہیں بھی موجود ہیں۔ وادی کی دشوار گزار پہاڑی چوٹیوں، گھنے جنگلات اور کم آبادی والے علاقے عسکری گروہوں کو چھپنے، تربیت حاصل کرنے اور اپنی کارروائیاں منظم کرنے کے مواقع دیتے ہیں۔ بعض رپورٹس کے مطابق وادی میں موجود مقامی اور بیرونی دہشت گرد گروہ اسلحہ، گولہ بارود، اور دیگر ساز و سامان کی چھپی ہوئی ذخیرہ گاہیں رکھتے ہیں، جن کا مقصد علاقائی سکیورٹی فورسز اور عام شہریوں کو نشانہ بنانا ہوتا ہے۔**

مزید برآں، وادی تیراہ میں موسمیاتی نقل مکانی کے ساتھ ساتھ خاموش بے دخلی کا مسئلہ بھی ابھرتا جا رہا ہے۔ عسکریت پسندوں کی موجودگی اور سکیورٹی آپریشنز کے باعث بعض گھرانے اپنے گھروں کو وقتی طور پر چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں، جس سے وادی میں انسانی حقوق، رہائشی استحکام اور معاشرتی ڈھانچے پر اثر پڑتا ہے۔ یہ خاموش بے دخلی بعض اوقات موسمی ہجرت کے ساتھ الجھ جاتی ہے، جس سے مقامی انتظامیہ اور سماجی تنظیموں کے لیے امدادی اور ریلیف اقدامات پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ سکیورٹی اور انسدادِ دہشت گردی کی کارروائیوں کے دوران، وادی میں مقامی قبائلی انتظامیہ اور سکیورٹی فورسز کے درمیان تعاون کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔ مقامی رہنماؤں کی شمولیت آپریشن کی منصوبہ بندی،

معلومات کی فراہمی اور مقامی عوام کی حفاظت کے لیے لازمی ہوتی ہے۔اس کی وجہ سے وادی کی اقتصادی سرگرمیاں وقتی طور پر رک جاتی ہیں اور مقامی حکومت کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرنا ایک بڑا چیلنج رہتا ہے۔

دہشت گردوں کی موجودگی، محفوظ پناہ گاہیں اور بیرونی معاونت وادی تیراہ کے مسائل کو مزید پیچیدہ بناتے ہیں۔اس کے ساتھ مقامی قبائل کی شکایات اور معاشرتی تحفظات بھی شامل ہیں، جو کبھی کبھار عسکریت پسند گروہوں کی حمایت یا ان کے ساتھ تعلقات کو غیر رسمی طور پر فروغ دیتے ہیں۔اس صورتحال کا حل صرف عسکری کارروائیوں سے ممکن نہیں بلکہ مقامی لوگوں کی شمولیت، روزگار کے مواقع، تعلیم و صحت کی سہولتیں اور سیاسی مکالمہ بھی اتنے ہی اہم ہیں۔

حالیہ آپریشنز کے بعد وادی تیراہ میں وقتی طور پر سکیورٹی بہتر ہوئی ہے، مگر طویل مدتی امن کے لیے متعدد اقدامات درکار ہیں۔ بنیادی ڈھانچے کی ترقی، تعلیم و صحت کے نظام کو مضبوط کرنا، روزگار کے مواقع فراہم کرنا اور مقامی لوگوں کو ریاستی نظام میں شامل کرنا ایسے اقدامات ہیں جو دہشت گرد گروہوں کی اثر پذیری کو کم کر سکتے ہیں۔اسی کے ساتھ موسمیاتی اور معاشرتی نقل مکانی کے مسائل کو بھی حل کرنا ضروری ہے تاکہ وادی میں انسانی حقوق، رہائش اور روزگار کے مواقع برقرار رہیں۔یوں وادی تیراہ نہ صرف جغرافیائی اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے، بلکہ یہاں کے معاشرتی، اقتصادی اور سکیورٹی مسائل بلوچستان اور پورے خطے کی ترقی و سلامتی کے لیے چیلنج بھی ہیں۔موسمی نقل مکانی اور خاموش بے دخلی کے

**وادی تیراہ کی ثقافتی اور قبائلی حساسیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کارروائی کی جاتی ہے تاکہ عام شہریوں پر نقصان کم سے کم ہو اور دہشت گرد گروہوں کی رسائی محدود ہو۔ اقتصادی اور سماجی پہلوؤں کی بات کی جائے تو وادی کے لوگ بنیادی طور پر زراعت اور جانوروں کی پرورش پر انحصار کرتے ہیں، جبکہ چھوٹے پیمانے پر کاروبار اور غیر رسمی روزگار بھی اہم ہیں۔ سردیوں میں جب برفباری اور شدید سردی کے باعث مقامی معیشت محدود ہو جاتی ہے، تو نوجوان شہریوں کے لیے دیگر شہروں کی طرف نقل مکانی ایک ضروری امر بن جاتی ہے۔**

مسائل، عسکریت پسند گروہوں کی سرگرمیاں، روزگار کی کمی اور بنیادی سہولیات کی کمی سب مل کر وادی کے پیچیدہ منظرنامے کو تشکیل دیتے ہیں۔ مستقبل میں پائیدار امن اور ترقی اسی وقت ممکن ہوگی جب سکیورٹی، معاشرتی ترقی اور مقامی شمولیت کو متوازن طور پر ساتھ لے کر منصوبہ بندی کی جائے۔ وادی تیراہ کے عوام کی بھلائی، ترقی اور امن کے لیے حکومت، سکیورٹی اداروں اور مقامی قیادت کے درمیان مضبوط تعاون، اقتصادی ترقی کے منصوبے، روزگار کے مواقع اور تعلیم و صحت کے شعبوں میں سرمایہ کاری لازمی ہیں۔ اگر یہ اقدامات موثر انداز میں کیے جائیں تو وادی نہ صرف عسکریت پسندی سے محفوظ رہ سکتی ہے بلکہ خطے کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کر سکتی ہے، اور یہاں کے نوجوان اپنے گھر کے ساتھ وابستہ رہ کر بہتر مستقبل کی طرف قدم بڑھا سکتے ہیں۔

# آئی ای ڈیز سے مربوط حملوں تک

# بلوچستان میں عسکریت پسندی کا ارتقاء

کنول افتخار

(مصنفہ ایک ممتاز صحافی اور کالم نگار ہیں اور اخبار میں کالم لکھتی ہیں)

بلوچستان پاکستان کا رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا مگر آبادی کے اعتبار سے سب سے کم گنجان صوبہ ہے۔ یہ خطہ اپنی جغرافیائی اہمیت، معدنی وسائل، ساحلی پٹی اور ایران و افغانستان سے ملتی طویل سرحدوں کی وجہ سے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے خطے کی سیاست اور سلامتی میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ گوادر کی گہرے پانیوں والی بندرگاہ، چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کے منصوبے، قدرتی گیس، کوئلہ، سونا، تانبہ اور دیگر معدنی ذخائر بلوچستان کو معاشی امکانات کا مرکز بناتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ صوبہ دہائیوں سے شورش، علیحدگی پسندی، معاشی محرومی کے احساس، کمزور بنیادی ڈھانچے اور سکیورٹی چیلنجز کا بھی شکار رہا ہے۔ ان عوامل نے بلوچستان کو ایک پیچیدہ سیاسی و سکیورٹی منظرنامے میں تبدیل کر دیا ہے جہاں ریاستی رٹ، مقامی شکایات، علاقائی سیاست اور بین الاقوامی مفادات آپس میں گتھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حال ہی میں پاکستان کی سکیورٹی فورسز نے بلوچستان میں آپریشن ردّ الفتنہ - 1 مکمل کرنے کا اعلان کیا، جس کے مطابق کارروائیوں کے دوران 216 عسکریت پسند مارے گئے جبکہ 36 عام شہری اور 22 سکیورٹی اہلکار جان سے گئے۔ اس آپریشن کا پس منظر جنوری کے آخر میں ہونے والے مربوط حملے تھے جب بلوچستان لبریشن آرمی سے منسوب حملوں کی ایک لہر نے صوبے کے متعدد علاقوں کو متاثر کیا اور سکیورٹی صورتحال کو سخت چیلنج کیا۔ ان حملوں کے بعد انٹیلی جنس پر مبنی کارروائیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا، جن میں پنجگور، ہرنائی اور دیگر علاقوں میں سرچ

اور کلیئرنس آپریشنز شامل تھے۔

فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے مطابق ان کارروائیوں کا مقصد نہ صرف حملہ آور نیٹ ورکس کو ختم کرنا بلکہ سلیپر سیلز، اسلحہ کے ذخائر اور لاجسٹک سپورٹ سسٹم کو بھی توڑنا تھا۔ بلوچستان میں عسکریت پسندوں کے ٹھکانوں کا مسئلہ ہمیشہ پیچیدہ رہا ہے۔ صوبے کا وسیع و عریض اور دشوار گزار جغرافیہ، پہاڑی سلسلے، کم آبادی والے علاقے اور طویل سرحدیں ایسے عوامل ہیں، جو مسلح گروہوں کو نقل و حرکت اور چھپنے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ بعض علاقوں میں یہ گروہ دور دراز پہاڑی پناہ گاہوں، عارضی کیمپوں یا سرحدی علاقوں کے قریب موجود نیٹ ورکس کے ذریعے اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں۔ سکیورٹی ادارے اکثر انٹیلی جنس اطلاعات کی بنیاد پر کارروائیاں کرتے ہیں، کیونکہ روایتی جنگی محاذ کے برعکس یہاں دشمن منتشر اور خفیہ نیٹ ورک کی صورت میں ہوتا ہے۔

> بلوچستان میں علیحدگی پسند تحریکوں کی تاریخ نئی نہیں۔ مختلف ادوار میں یہاں مسلح مزاحمت کی لہریں اٹھتی رہیں، جن میں ریاستی اداروں، سکیورٹی فورسز، سرکاری تنصیبات، مواصلاتی ڈھانچے اور بعض اوقات عام شہریوں کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ حالیہ برسوں میں بلوچستان لبریشن آرمی (بی ایل اے)، بلوچستان لبریشن فرنٹ (بی ایل ایف) اور دیگر مسلح گروہوں کی سرگرمیوں نے اس مسئلے کو دوبارہ شدت دی ہے۔ ان تنظیموں کی حکمت عملی میں وقت کے ساتھ تبدیلی آئی ہے، پہلے چھوٹے پیمانے کے حملوں، بارودی سرنگوں اور محدود جھڑپوں تک محدود رہنے والی کارروائیاں اب مربوط حملوں، خودکش دھماکوں، سڑک کنارے نصب آئی ای ڈیز، مواصلاتی نظام کو نشانہ بنانے اور بڑے انفراسٹرکچر منصوبوں پر حملوں تک پھیل چکی ہیں۔

فنڈنگ کے حوالے سے پاکستان کا موقف یہ رہا ہے کہ بلوچستان میں سرگرم بعض عسکریت پسند گروہوں کو بیرونی معاونت خصوصا بھارت کی مالی مدد اور لاجسٹک سپورٹ حاصل رہی ہے، جس میں اسلحہ، تربیت، مالی وسائل اور پراپیگنڈا شامل ہے۔ بلوچستان میں حملوں کی نوعیت بھی وقت کے ساتھ تبدیل ہوئی ہے۔ پہلے زیادہ تر کارروائیاں سکیورٹی فورسز یا گیس پائپ لائنوں اور بجلی کے کھمبوں جیسے انفراسٹرکچر تک محدود رہتی تھیں، لیکن بعد میں بعض حملوں میں عام شہری بھی متاثر ہوئے۔ سڑکوں پر مسافروں کی شناخت کے بعد فائرنگ، مزدوروں یا تعمیراتی منصوبوں سے وابستہ افراد کو نشانہ بنانا یا عوامی مقامات پر دھماکے کرنا ایسی مثالیں ہیں جنہوں نے صوبے میں خوف اور عدم تحفظ کو بڑھایا۔

اس کے علاوہ ریلوے لائنوں اور ٹرینوں پر حملوں کی بھی اطلاعات سامنے آتی رہی ہیں، جن کا مقصد مواصلاتی رابطوں کو متاثر کرنا اور ریاستی نظم کو چیلنج کرنا بتایا جاتا ہے۔ پاکستان ریلوے ملک کی اہم شریانوں میں سے ایک ہے، اور اس پر حملے نہ صرف سفری نظام بلکہ معاشی سرگرمیوں اور عوامی اعتماد کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ سکیورٹی فورسز کا موقف ہے کہ حالیہ آپریشنز کے دوران غیر ملکی ساخت کا اسلحہ، گولہ بارود اور دھماکا خیز مواد برآمد ہوا، جسے بیرونی معاونت کا ثبوت قرار دیا گیا۔ ایسے دعوؤں کی آزادانہ تصدیق اکثر مشکل ہوتی ہے، لیکن یہ بات واضح ہے کہ

بلوچستان کا مسئلہ صرف مقامی سطح تک محدود نہیں بلکہ علاقائی سیاست، سرحدی سلامتی اور بین الاقوامی مفادات سے بھی جڑا ہوا ہے۔

ایران اور افغانستان سے ملتی سرحدیں، غیر قانونی آمد و رفت، اسمگلنگ کے راستے، اور شورش زدہ سرحدی علاقوں کی پیچیدگی صورتحال کو مزید حساس بناتی ہے۔ سی پیک اور گوادر کی ترقی نے بلوچستان کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا ہے۔ ریاست کے نزدیک یہ منصوبے اقتصادی ترقی، روزگار اور انفراسٹرکچر کی بہتری کے لیے اہم ہیں، جبکہ عسکریت پسند گروہوں نے بعض مواقع پر ان منصوبوں کو نشانہ بنایا یا ان کی مخالفت کی۔ ان کا مؤقف یہ رہا ہے کہ مقامی آبادی کو وسائل اور ترقی کے ثمرات میں مناسب حصہ نہیں مل رہا، جبکہ حکومت کا کہنا ہے کہ ترقیاتی منصوبے پورے صوبے کے مفاد میں ہیں اور سکیورٹی اقدامات انہی منصوبوں کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔

حالیہ آپریشن ردّ الفتنہ – 1 کے بعد وزیراعظم محمد شہباز شریف نے سکیورٹی فورسز کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے شہید ہونے والے اہلکاروں کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور شہری شہادتوں پر افسوس کا اظہار کیا۔ حکومت نے دہشت گردی کے مکمل خاتمے تک کارروائیاں جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا ہے۔ یہ بیانات ریاستی پالیسی کی اس سمت کو ظاہر کرتے ہیں جس میں دہشت گردی کے خلاف سخت کارروائی کو قومی سلامتی کا لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ تاہم بلوچستان کا مسئلہ صرف سکیورٹی زاویے سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ ایک ایسا خطہ ہے جہاں قبائلی روایات، تاریخی سیاسی تنازعات، وسائل پر اختیار کا سوال، اور جدید ترقیاتی منصوبوں کے اثرات سب ایک ساتھ موجود ہیں۔ بعض علاقوں میں لوگوں کی

شکایات بنیادی سہولیات اور روزگار سے متعلق ہیں، جبکہ دیگر حلقوں میں سیاسی خودمختاری اور وسائل کے کنٹرول کے مطالبات بھی سنائی دیتے ہیں۔ اسی تناظر میں بعض اوقات عسکریت پسند بیانیہ مقامی محرومیوں کو استعمال کر کے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ ریاست اسے قومی یکجہتی کے خلاف چیلنج قرار دیتی ہے۔

بلوچستان کی صورتحال کا ایک اہم پہلو سماجی اور معاشی ترقی بھی ہے۔ صوبے کے کئی اضلاع میں صحت، تعلیم، صاف پانی، سڑکوں اور روزگار کے مواقع کی کمی ایک دیرینہ مسئلہ رہی ہے۔ بعض ماہرین کے مطابق اگر سکیورٹی اقدامات کے ساتھ ساتھ تعلیم، مقامی حکومتوں کی مضبوطی، سیاسی شمولیت اور وسائل کی منصفانہ تقسیم پر بھی توجہ دی جائے تو طویل المدتی استحکام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دنیا کے دیگر خطوں کی مثالیں بتاتی ہیں کہ صرف عسکری کارروائیاں شورش کو وقتی طور پر کم کر سکتی ہیں، لیکن پائیدار امن کے لیے سیاسی مکالمہ، معاشی ترقی اور سماجی انصاف بھی ضروری ہوتے ہیں۔

بلوچستان میں امن و استحکام کے لیے مستقبل کی حکمت عملی غالباً کثیر جہتی ہی ہو سکتی ہے: مؤثر سکیورٹی اقدامات، بہتر انٹیلی جنس نظام، سرحدی نگرانی، اور ساتھ ہی ترقیاتی منصوبوں میں مقامی شمولیت، تعلیم و صحت کی سہولیات میں اضافہ، اور سیاسی مکالمے کے راستے کھلے رکھنا۔ اگر ایک طرف عسکریت پسند نیٹ ورکس کی تنظیمی صلاحیتوں کو کمزور کرنا ضروری ہے تو دوسری طرف عوام کے اعتماد کو مضبوط بنانا بھی اتنا ہی اہم ہے۔ یوں بلوچستان آج بھی پاکستان کے لیے ایک امتحان اور موقع دونوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک طرف شورش، حملے اور سکیورٹی چیلنجز ہیں، تو دوسری طرف قدرتی وسائل، ساحلی تجارت، علاقائی روابط اور اقتصادی ترقی کے امکانات۔ حالیہ آپریشنز وقتی طور پر سکیورٹی صورتحال کو بہتر بنانے میں مدد دے سکتے ہیں، مگر طویل المدتی امن اسی وقت ممکن ہوگا جب سلامتی، ترقی اور سیاسی شمولیت تینوں پہلوؤں کو ساتھ لے کر آگے بڑھا جائے۔ بلوچستان کا مستقبل اسی توازن پر منحصر ہے کہ ریاست کس حد تک طاقت اور مفاہمت، سکیورٹی اور ترقی اور قومی مفاد اور مقامی حقوق کے درمیان مؤثر ہم آہنگی پیدا کر پاتی ہے۔

# بسنت خوشیوں بھرا ثقافتی تہوار

## رنگوں کی بہار، تحفظ کی ڈور ہر بار

محمد زکریا
(مصنف، کالم نگار ہیں اور پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں)

موسم سرما سے موسم بہار میں داخل ہوتے خوشگوار موسم کا استقبال کرنے کے لیے پنجابی کیلینڈر کے مہینے ماگھ کی پانچ تاریخ کو ایک جشن کا اہتمام کیا جاتا جو کہ 'بسنت پنچمی' کہلاتا ہے۔ بسنت برصغیر پاک و ہند کے علاقے پنجاب کا ایک موسمی اور ثقافتی تہوار رہا ہے۔ لیکن اسے مقبولیت انیسویں صدی میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں ملی جب اسے پوری شان وشوکت سے منایا گیا۔ درباری زرد لباس پہنتے اور پتنگ بازی کے مقابلے ہوتے۔ وقت کے ساتھ یہ تہوار مذہبی حدود سے نکل کر ایک ثقافتی علامت بن گیا۔ مسلمان، سکھ اور ہندو سبھی اس تہوار میں شریک ہوتے رہے۔ لاہور، قصور، گوجرانوالہ اور دیگر شہروں میں بسنت ایک عوامی تہوار کے طور پر ابھرا۔ اگر بسنت کا نام لیا جائے تو سب سے پہلے ذہن میں لاہور کا تصور آتا ہے۔ لاہور کو بسنت کا شہر کہا جاتا رہا ہے۔ اندرونِ لاہور کی چھتیں، فضا میں اڑتی رنگ برنگی پتنگیں، ڈھول کی تھاپ، اور روایتی کھانے اس تہوار کو

> بسنت میل جول ہے، یہ محبت ہے۔ پتنگ اُڑانا ٹھیک ہے، لیکن اصل چیز تعلق قائم کرنا ہے۔ یہ لاہور والوں کے لیے خاص (تہوار) ہے۔ بسنت لاہوریوں کے خون میں دوڑتی ہے۔ یہ صرف پتنگ اور ڈور کی بات نہیں، یہ روایت ہے۔ پتنگ بازی محض خوبصورتی کا ہی کھیل نہیں، بلکہ یہ ایک مقابلہ بھی ہوتا ہے کہ کس طرح مخالف کی پتنگ کو آسمان سے کاٹ کر گرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈور کو اور زیادہ تیز اور مضبوط بنانے کی دوڑ شروع ہوئی۔ کچھ ڈوریں پسا ہوا شیشہ لگا کر تیار کی گئیں، کچھ دھات یا کیمیائی مواد سے بنائی جاتی تھیں جو ٹوٹتی نہیں تھیں۔

یادگار بناتے تھے۔

بسنت کو اصل عروج اس وقت ملا جب نائٹ بسنت شروع ہوئی۔ اتوار کو لاہور کے منٹو پارک میں مقابلے ہوتے تھے جن میں استادی شاگردی کا نظام تھا۔ بڑے استادوں کو جیتنے پر سوٹ اور مٹھائیاں دی جاتی تھیں جبکہ پگ بھی باندھی جاتی تھی جو پنجاب میں عزت اور شان کی علامت ہے۔ اس سے پہلے انتظامیہ رات کو آسمان میں روشنی والی لال ٹین چھوڑا کرتی تھی، جس سے لوگوں کو پتا چل جاتا تھا کہ کل صبح بسنت منائی جائے گی۔ اس کے بعد لوگ فجر کی نماز کے فوراً بعد چھتوں پر چڑھ جاتے تھے اور سارا دن پتنگیں اڑاتے، کھانے بناتے اور کھاتے تھے۔ گھر کی خواتین رنگین کپڑے اور چوڑیاں پہنتی تھیں اور مغرب کے وقت سب نیچے آ جاتے تھے۔ مینارِ پاکستان کے گرد و نواح میں خصوصی تقریبات منعقد کی جاتیں۔ ہوٹلوں میں بسنت نائٹس کا اہتمام کیا جاتا اور غیر ملکی سیاح بھی اس منظر سے لطف اندوز ہونے آتے۔ حالیہ برسوں میں اگرچہ سرکاری اجازت نہ ہونے کے باعث بڑے پیمانے پر تقریبات منعقد نہیں ہوئیں، لیکن شہری سطح پر محدود انداز میں پتنگ بازی کی روایت برقرار رہی۔ امرتسر، قصور اور لاہور میں بسنت زور و شور سے منائی جاتی تھی، خوب پتنگ بازی ہوتی، مہاراجہ خود پتنگ بازی کرتے اور عوامی میلوں کو اپنی شمولیت سے خوشی بخشتے تھے۔

> بسنت سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی 'بہار' کے ہیں۔ مؤرخین کے مطابق بسنت کا تہوار بھی اسی ثقافت کی عکاسی ہے، جس میں رنگ برنگی پتنگیں اڑانا، کھانا پینا اور مل بیٹھ کر جشن منانا شامل ہے۔ یہ تہوار صدیوں سے روایتی طور پر بسنت کے نام سے ہی منایا جاتا رہا ہے۔ پتنگ بازی کا آغاز تو جاپان اور چین سے ہوا لیکن ایسے لگتا ہے کہ یہ تہوار پنجاب اور خاص کر لاہوریوں کے لیے ہی بنا تھا۔ کھیتوں میں سرسوں جب پھولتی ہے اور ہریالی کے پس منظر میں پیلے پھولوں کی بہار دکھاتی ہے تو اس کھلتے موسم کو خوش آمدید کہنے کا نام 'بسنت' ہے۔

نوے کی دہائی میں لاہور بسنت کے تہوار کا گڑھ بن چکا تھا۔ شہر میں موسم بہار کی آمد سے قبل ہی فضا 'بوکاٹا، بوکاٹا' سے گونجتی رہتی۔ اس کی آمد سے کئی ہفتے پہلے ہی اس کی تیاریاں شروع کر دی جاتیں۔ دکانیں سج جاتیں اور ہر طرف رنگ برنگی پتنگیں لٹکی نظر آتیں۔ پتنگوں کی تیاری کا آغاز کئی مہینے پہلے ہی سے ہو جاتا تھا۔ لاہور کے علاوہ قصور، گجرانوالہ، شاہدرہ، شرقپور، فیصل آباد، سیالکوٹ سمیت وسطی پنجاب کے متعدد شہروں سے پتنگیں تیار ہو کر لاہور پہنچائی جاتیں۔ مگر پھر بھی تہوار کے دنوں میں مال کم پڑ جاتا۔ پتنگوں کی طرح لاہوری ڈور بنانے میں بھی ماہر تھے۔ موچی گیٹ، رنگ محل، بھاٹی گیٹ، ٹیکسالی گیٹ سمیت منٹو پارک موجودہ (اقبال پارک) بادشاہی مسجد اور لاہور کے قلعے کے ساتھ ساتھ جا بجا لوگ ڈور پر مانجھا لگاتے دکھائی دیتے۔ بسنت کی صبح اذانوں سے پہلے ہی بچے اور بڑے گھروں کی چھتوں پر پہنچ جاتے تھے اور پتنگیں اندھیرے ہی میں آسمان پر چڑھا دی جاتی تھیں۔ شور و غل، ہو ہاؤ، بگل باجوں کی آوازوں اور بوکاٹا کے نعروں کے ساتھ ہی بسنت کا آغاز ہوتا جو رات گئے تک اسی شور شرابے کے درمیان جاری رہتا تھا۔

بچے، بوڑھے، لڑکیاں، لڑکے بسنت کی مناسبت سے لباس تیار کرواتے تھے۔ گھروں میں چٹ پٹے پکوان تیار کیے جاتے تھے۔ عزیز و اقارب کو ایک دوسرے کے ہاں مدعو کیا جاتا اور گھروں کی چھتیں لوگوں سے بھری رہتی تھی۔ نوے کی دہائی کے وسط تک بسنت ایک ایسا تہوار بن چکا تھا جس کے رنگ میں نہ صرف لاہور بلکہ پورا پاکستان ہی رنگ جاتا تھا۔

ہر بسنت میں اموات ہوتی رہیں، جن میں بچے بھی شامل تھے۔ یہ خاص طور پر موٹر سائیکل سواروں کے لیے خطرناک تھا، جو سڑک پر تنی ہوئی ڈور میں پھنس کر اپنی گردن کٹوا بیٹھتے۔ جشن کے دوران ہوائی فائرنگ اور چھتوں سے گرنے کے واقعات بھی زخمیوں اور ہلاکتوں کا باعث بنتے رہے۔

حالیہ برسوں میں اگرچہ سرکاری سطح پر اس تہوار پر مختلف پابندیاں عائد رہی ہیں، تاہم عوامی سطح پر بسنت کی یادیں، روایات اور ثقافتی اہمیت آج بھی زندہ ہیں۔ حالیہ بسنت کے تناظر میں اس تہوار کا سماجی، ثقافتی، معاشی اور انتظامی پہلوؤں سے جائزہ لینا نہایت ضروری ہے، تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ یہ تہوار کس طرح وقت کے ساتھ تبدیل ہوا اور مستقبل میں اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

یہ تہوار تقریباً دو دہائیوں بعد لوٹا ہے۔ بہار کے آغاز کی علامت یہ جشن صدیوں پرانا ہے، لیکن اصل خرابی اس وقت شروع ہوئی جب اس تہوار میں کاروباری عناصر نے زیادہ پیسے کمانے کے لیے خونیں ڈوریں بیچنا شروع کیں، جس سے کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ بسنت منانے

اور پتنگ بازی پر مکمل پابندی کائٹ فلائنگ ایکٹ 2007 کے تحت لگائی گئی تھی۔ اس سے قبل 2003 میں آخری مرتبہ باضابطہ طور پر بسنت منائی گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ بہت سے نوجوانوں کے لیے یہ پہلا موقع ہے کہ وہ پتنگ اُڑا رہے ہیں، انھوں نے لاہور کے آسمان کو کبھی یوں نہیں دیکھا۔ جبکہ کچھ کئی برسوں بعد دوبارہ اپنی مہارت آزما رہے ہیں۔

بسنت صرف پتنگ بازی کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ثقافتی مظہر ہے۔ یہ تہوار معاشرتی ہم آہنگی، خوشی اور اجتماعیت کی علامت رہا ہے۔ حالیہ برسوں میں سوشل میڈیا پر بسنت کی یادوں کو زندہ رکھا جا رہا ہے، جس سے نوجوان نسل بھی اس روایت سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ ایک ایسا تہوار تھا جس سے انسانی خوشیوں کے ساتھ ساتھ معاش و معیشت کا ایک نظام بھی بندھا ہوا تھا۔ بسنت کے دنوں میں پتنگ سازی ایک مکمل صنعت کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ انارکلی بازار اور دیگر بازاروں میں پتنگوں اور ڈور کی فروخت عروج پر ہوتی۔ بہت زیادہ آمدنی ہوتی تھی اور وہ آمدنی سب سے غریب لوگوں تک پہنچتی تھی۔ دکانداروں، پرانے شہر کے ریستوران، کپڑے رنگنے والے، جوتے اور چوڑیاں بیچنے والے، سب اس سے مستفید ہوتے تھے۔ اور پھر ہوٹل مکمل طور پر بک ہو جاتے تھے، اضافی پروازیں بھی آتی تھیں۔ ہزاروں افراد اس صنعت سے وابستہ تھے، جن میں کاریگر، دکاندار اور مزدور شامل تھے۔

ڈوریں اور پتنگیں بنانے والا، جہاں سے کاریگر سامان خریدتا ہے، اس کے بعد بسنت کا تہوار ہوتا ہے تو چوڑیاں بنانے اور بیچنے والی

سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور گورداسپور میں بڑے میلے لگتے تھے جن میں لوگ جوش وخروش سے شامل ہوتے۔ برصغیر میں پنجاب کی حکومت جب انگریزوں نے سکھوں سے چھین لی تو بہت سی تمدنی وثقافتی روایات دم توڑ گئیں یا مدھم پڑ گئیں، تاہم بسنت چونکہ موسمی تہوار تھا اور خاص و عام میں مقبول تھا اس لیے زندہ رہا۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی بسنت نے علاقائی رنگ جمائے رکھا اور پنجاب میں پیلی سرسوں کے پھوٹتے ہی آسمان پر رنگی برنگی پتنگیں چھا جاتی تھیں۔ لاہور میں بسنت کا تہوار تمام تہواروں کا بادشاہ تھا۔

خواتین کو پیسہ جاتا ہے۔ لوگ خصوصی کپڑے بنواتے ہیں۔ پھر آپ کی ہوٹل انڈسٹری۔ ٹرین اور بسوں کا استعمال ہوتا ہے۔ اس تہوار کے لیے باہر کے ملکوں سے لوگ آتے ہیں اور پیسہ لگاتے ہیں۔ وہاں سے آپ کی معیشت اور سیاحت دونوں کو فروغ ملتا ہے۔ یاد رہے کہ بسنت کے اس تہوار کے لیے لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے لاہور شہر کا رخ کیا۔ جس کی وجہ سے ہوٹل کے کرایوں میں ہوشربہ اضافہ ہوا۔ یہی نہیں ٹرین، بس اور جہاز کا سفر کر کے آنے والوں کی بھی بہت بڑی تعداد ہے۔ بسنت کے دوران کراچی تا لاہور کی جہاز کی ٹکٹ کا کرایہ 80 ہزار تک جا پہنچا۔ اسی طرح ایک اچھے ہوٹل کا کرایہ ایک رات کے لیے ایک لاکھ روپے سے تجاوز کر رہا تھا۔

یہ رجحان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ لوگ اسے اپنی ثقافت کا حصہ سمجھتے ہیں اور محفوظ انداز میں اس کی بحالی چاہتے ہیں۔ حکومت پنجاب کی جانب سے سخت حفاظتی قوانین نافذ کر کیے گئے، جیسے: دھاتی ڈور پر مکمل پابندی، لائسنس یافتہ پتنگ فروش، مخصوص مقامات پر محدود تقریبات ایمرجنسی سروسز کی موجودگی، جس کا واحد مقصد بسنت کو دوبارہ ایک محفوظ اور منظم تہوار کے طور پر بحال کرنا ہے۔ یہ نہ صرف ثقافتی ورثے کی حفاظت ہو رہی ہے بلکہ سیاحت اور معیشت کو بھی فروغ دیا جا رہا ہے۔ بسنت پنجاب کی ثقافتی شناخت کا ایک روشن باب بن چکی ہے۔

لاہور کی گلیوں کو دیکھنے سے ہی آپ کو معلوم ہو رہا تھا بسنت لوٹ آئی ہے۔ کوئی بجلی کی تاروں سے پتنگ نکال رہا ہے، کہیں دور ڈھول کی تھاپ سنائی دے رہی ہے، اور جب آپ اندرون شہر کی تنگ گلیوں میں سر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو آسمان پر رنگین دکھائی دیتا ہے۔ یہ جشن فضاؤں میں منایا جا رہا ہے۔ جیسے ہی سورج شہر کی فضاؤں میں نمودار ہوتا ہے، ہر چھت پر خاندان اور دوست دکھائی دیتے ہیں، ہنستے، شور مچاتے اور دیکھتے ہوئے کہ پتنگیں کس طرح آسمان میں دائیں بائیں جھولتی، چکر کاٹتی اور بلند پرواز کرتی ہیں۔

بسنت محفوظ بنانے کیلئے حکومت پنجاب کے اقدامات قابل ستائش ہیں۔ بسنت کی واپسی کا سہرا وزیراعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف کے سر جاتا ہے جن کی زیر قیادت اتنا بڑا فیصلہ لیا گیا، ظاہری بات ہے جب آپ کروڑوں کی آبادی والے شہر لاہور میں بسنت کی واپسی یقینی بنا رہے ہوتے ہیں تو اکا دکا حادثات ہو بھی جاتے ہیں، خدانخواستہ کسی بڑے پیمانے پر جانی نقصان ہوتا تو یہ بسنت، حکومت پنجاب کے گلے بھی پڑ سکتی تھی اور خدشہ تھا کہ سیاسی نقصان بھی اٹھانا پڑ جاتا۔ مگر ہمیں بحیثیت قوم وزیراعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف کو خراج تحسین پیش کرنا ہوگا جنہوں نے ثقافتی بحالی کیلئے مثالی کردار ادا کیا۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ آئندہ سال بسنت مزید محفوظ بھی ہوگی اور اس کی وسعت میں پنجاب کے تمام

اضلاع تک اضافہ بھی کیا جائے گا۔ زندہ دلان لاہور نے بسنت منائی، چہرے کھل اٹھے، اختلافات اور دیگر سیاسی پیچیدگیوں سے بیزار قوم کیلئے بسنت بلاشبہ تفریح کا ایک بڑا ذریعہ تھا مگر اس خوشی پر پنجاب کے دیگر شہریوں کا بھی برابر کا حق ہے۔

بسنت کا سب سے زیادہ منفی پہلو خونیں ڈوریں ہیں جنھیں بنانے اور خریدنے والے دونوں مجرم ہیں۔ حکومت اس پر مزید سختی کرے تو معاملات اور بھی بہتر ہو سکتے ہیں۔ بسنت صرف پتنگوں کا کھیل نہیں بلکہ یہ خوشی، رنگ، ثقافت اور اجتماعیت کا پیغام ہے۔ موسمِ بہار کی آمد کے ساتھ یہ تہوار ہمیں امید، تازگی اور نئی شروعات کا احساس دلاتا ہے۔ حالیہ برسوں میں حفاظتی خدشات کے باعث اس پر پابندیاں ضرور لگیں، لیکن عوامی محبت اور یادوں میں یہ تہوار آج بھی زندہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ روایات اور تحفظ کے درمیان توازن قائم کیا جائے۔ اگر جدید تقاضوں کے مطابق انتظامات کیے جائیں، (جیسا کہ اس بار کئے بھی گئے ہیں) تو بسنت کو دوبارہ اپنی اصل شان کے ساتھ منایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وطن عزیز کو امن و استحکام عطا فرمائیں تو بسنت پاکستان بھر میں ہونی چاہئے، ہمیں ثقافتی تہواروں کو آئندہ نسل میں منتقل کرنا ہے، کیونکہ جو قوم ثقافت کو اپنی آئندہ نسل میں منتقل نہ کر سکے تو نوجوانوں کا گمراہ ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

# سیاست اور کھیل تصادم

ناصر نقوی
(مصنف سینئر جرنلسٹ اور کالم نویس ہیں)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہمارے ہمسائے بھارت نے ہمیشہ کھیل کو سیاسی ہتھیار بنا کر اپنے حق میں نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی، یہ الگ بات ہے کہ وہ کامیاب ہوا یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان کھیلوں کے مقابلے بھی کبھی محض کھیل نہیں رہے بلکہ عوامی سطح پر بھی جذباتی اور سیاسی اختلافات کی تصویر دکھائی دیتے ہیں۔ اگر ماضی کا جائزہ لیا جائے تو ایک بات واضح ہو جائے گی کہ پاکستان نے برے حالات میں بھی کھیل میں سیاست کو گھسیٹنے کی کوشش نہیں کی لیکن جب بھارت نے پہل کی تو پاکستان نے بھرپور ردعمل دیا تاہم ٹی۔ٹونٹی ورلڈ کپ 2026 میں آئی۔سی۔سی نے بھارتی عہدے داروں کی موجودگی میں بنگلہ دیش کے خلاف فیصلہ کیا تو پاکستان نے ناپسندیدگی کا نا صرف اظہار کیا بلکہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیوں نہ ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ 2026 کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ اس سوچ کی بنیاد بھی بھارتی فیصلہ تھا کہ انہوں نے آئی۔پی۔ایل میں عالمی شہرت یافتہ اداکار شاہ رخ خان کی ٹیم میں بنگلہ دیشی باولر مستفیض الرحمٰن کی مخالفت کی اور ان کی شرکت پر قتل تک کی دھمکیاں دیں۔ شاہ رخ خان کو فیصلہ بدلنے پر مجبور کیا گیا کہ وہ اگر بنگلہ دیشی باولر کو نہیں نکالیں گے تو ان کے خلاف بھی سخت ردعمل آئے گا کیونکہ تم نے ملک اور قوم سے غداری کی ہے لہٰذا شاہ رخ خان نے دباؤ میں مستفیض الرحمٰن کو ٹیم سے نکال دیا۔ پاکستان کرکٹ بورڈ نے انتہائی صبر و استقامت سے دور اندیشی کا فیصلہ کیا اور ٹورنامنٹ کے بائیکاٹ کی بجائے حقیقی انتشاری بھارت کے خلاف میچ کھیلنے سے حکومتی فیصلہ سنا دیا۔ بھارتی چینلز اور میڈیا مبصرین اسے چیلنج کرتے رہے کہ پاکستان ایسا نہیں کر سکتا۔

یہ صرف گیدڑ بھبھکی ہے لیکن جب بھارت اور آئی۔سی کو یقین ہو گیا کہ یہ فیصلہ اٹل ہے تو سب کو مصیبت پڑ گئی اس لیے کہ کسی بھی بڑے ایونٹ کا ریونیو صرف اور صرف پاک بھارت میچ سے آتا ہے۔ جو پورے ٹورنامنٹ بلکہ آئی۔سی۔سی کے لیے اہم ترین ہوتا ہے پاکستان نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو سب کے سب پریشان ہو گئے اس ایک فیصلے سے پاکستان سمیت تمام ممالک کو مالی نقصان ہونا تھا لیکن سب سے زیادہ آئی۔سی۔سی اور بھارت کو ہی برداشت کرنا پڑنا تھا۔لہٰذا انہوں نے سفارتی اور خارجی محاذ پر بھاگ دوڑ شروع کر دی دوست ممالک یو۔اے۔ای، سری لنکا اور بنگلہ دیش سمیت سب نے پاکستان کرکٹ بورڈ ہی نہیں، حکومت سے بھی رابطے کیے سعودیہ نے بھی سفارش کی۔آئی۔سی۔سی کے ذمہ دار عمران خواجہ سنگاپور سے آئے، چیئرمین کرکٹ بورڈ محسن نقوی سے ملاقات کی، ویڈیو لنک پر آئی۔سی۔سی کے مبشر عثمانی نے بات چیت میں حصہ لیا، بنگلہ دیشی کرکٹ بورڈ کے صدر امین الاسلام بھی پاکستان کرکٹ بورڈ میں آئے۔

پاکستان نے مشروط مذاکرات کیے اور محسن نقوی نے اپنی حکمت عملی سے ایسی سمارٹ چال چلی کہ آئی۔سی۔سی اعصابی جنگ ہار گیا اور پی۔سی۔بی کی تمام شرائط تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا اب ان مذاکرات کے باعث بنگلہ دیش کو نہ کوئی جرمانہ ہوگا، نہ ہی اس کے حصے کی رقم روکی جا سکے گی۔ بلکہ 2028 سے 2031 کے درمیان اسے ایک عالمی ایونٹ کی میزبانی بھی دی جائے گی۔اس صورتحال پر امریکی اخبار نے لکھا کہ بھارت نے اپنی غلط منصوبہ بندی سے آئی۔سی۔سی اور ٹی ٹوئنٹی ورلڈ کپ 2026 کو نقصان پہنچایا، صدر سری لنکا انوار اکمار نے پاکستانی حکومت اور وزیراعظم شہباز شریف کا شکریہ ادا کیا وزیر داخلہ اور کرکٹ بورڈ کے صدر محسن نقوی نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں دنیا کو بتایا کہ ہمارا کوئی ذاتی مفاد ہرگز نہیں تھا ہم اصولی موقف پر کھڑے رہے۔آج جو کچھ بنگلہ دیش کے ساتھ کیا گیا اگر آواز نہ اٹھاتے تو کل کسی کے خلاف بھی ایسا کیا جا سکتا تھا، ہمارا مقصد بنگلہ دیش کو عزت اور حق دلانا تھا بلکہ یہ بھی یاد دہانی کرانی تھی کہ آئی۔سی۔سی کے فیصلوں کا دارومدار آئین اور قانون پر ہونا چاہیے کسی کی پسند ناپسند پر نہیں۔ پاکستان کسی بھی ٹورنامنٹ میں جیتے یا ہارے کرکٹ پاکستان کے بغیر نہیں ہو سکتی، بھارتی میڈیا نے پاکستان پر سخت تنقید کی کہ وزیراعظم پاکستان نے یوٹرن لے لیا لیکن بھارتی میڈیا کے اہم کردار وکرانت گپتا نے تقریباً 10 روز پاکستان پر طنز کے نشتر چلانے کے بعد تسلیم کر لیا کہ پاکستان کی حکمت عملی نے آئی۔سی۔سی اور بھارتی ذمہ داروں کے پسینے نکلوا دیے۔ میڈیا نے یہ بات بھی تسلیم کی کہ پاکستان کا بھارت کے خلاف کھیلنے سے آئی۔سی۔سی بڑے مالی بحران سے بچ گیا جبکہ بھارتی کرکٹ بورڈ نے خوشی کا اظہار کیا ہے بلکہ نائب صدر راجیو شکلا نے مذاکرات کی کامیابی پر

**1999 میں کارگل تنازعہ کے بعد دونوں ممالک کے درمیان کرکٹ کے میدان میں بھی تصادم آ گیا، دوطرفہ سیریز منسوخ کر دی گئیں، کرکٹ روابط ختم ہو گئے اور کرکٹ سفارتی دباؤ کے لیے ہتھیار بن گئی۔2008 ممبئی حملے نے صورتحال مزید خراب کر دی بھارت نے اپنی ہٹ دھرمی میں دوطرفہ کرکٹ کا خاتمہ کر دیا اور پاکستان صرف عالمی ایونٹ تک محدود ہو گیا۔**

آئی۔سی۔سی کا شکریہ بھی ادا کیا پھر بھارتی میڈیا کے تبصرے اچانک تبدیل ہو گئے جو کہہ رہے تھے کہ پاکستان ڈرپوک ہے وہ بھارت سے کھیلنا نہیں چاہتا، اب کہہ رہے ہیں کہ بھارت بے عزت ہو گیا۔

دنیا بھر میں یہ رائے ہے کہ کھیل کے میدانوں کو سیاست اور محاذ آرائی سے دور رکھا جائے لیکن آئی۔سی۔سی نے بنگلہ دیش کو نامساعد حالات میں کھیلنے سے انکار اور سری لنکا میں میچ شیڈیول کی درخواست تسلیم نہ کرتے ہوئے اسے ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ 26 سے محروم کر دیا حالانکہ یہ روایات بھارتی حکومت اور کرکٹ بورڈ نے جنم دی تھی۔ سب کی خواہش ہے کہ سیاست میدان میں اور تصادم سرحدوں پر اور نظریات کے میدان میں اچھے لگتے ہیں کھیل کے میدان میں سب کو سپورٹس مین سپرٹ کا مظاہرہ کرنا چاہیے لیکن پاک بھارت کھیلوں میں کرکٹ کا میدان ہو کہ ہاکی کے گراؤنڈ، تصادم ایک عرصے سے دیکھنے کو مل رہے ہیں اور اس بحران کی پشت پناہی بھی سیاسی حکمران ہی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے پاکستان کو نقصان ہوا اس کے اثرات نے پاکستانی کرکٹ کو کمزور کر دیا، 2016 کے ایشیا کپ اور ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ کے میچز میں بھی شدید سیاسی دباؤ پایا گیا اس وقت بھی بائیکاٹ کا نعرہ لگا لیکن میچ کھیلے گئے جس سے عالمی سطح پر یہ مضبوط پیغام گیا کہ اختلافات خواہ جتنے بھی ہوں، کھیل کا دروازہ کبھی بند نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ کھیل کھلاڑی امن، دوستی اور مثبت تعلقات استوار کرنے والے بہترین سفیر ہوتے ہیں۔

پھر بھی 2019 میں بھارت نے پلوامہ واقعہ کی بنیاد پر ایک مرتبہ پھر کرکٹ کو سیاسی بیانیہ بنا دیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ کھیل کے میدان

میں بائیکاٹ نہ کھیل کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی سیاسی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں پھر سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ کیا کھیل کو احتجاج کا ذریعہ بنانا موثر حکمت عملی ہے؟ جس کا جواب یہ ہے کہ ''موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں ۔''یعنی میدان سے باہر نکلنے سے بہتر حکمت عملی میدان میں رہنا اور طاقتور آواز بننا ہی کامیابی ہے جو کہ پاکستان نے ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ 2026 کے موقع پر پوری دنیا کو سمجھا دی۔ بھارتی کرکٹ بورڈ اور اس کے چہیتے جے شاہ نے بنگلہ دیش کے ساتھ ہاتھ کیا۔ آئی۔سی۔سی کے 14 ممبران نے ساتھ دیا لیکن پاکستان کی سمارٹ چال نے صرف دو افراد کی مخالفت سے اپنا مضبوط قانونی اور اخلاقی حق حاصل کر کے برادر بنگلہ دیش کے لیے ہی نہیں، مستقبل کی کرکٹ اور مثبت فیصلوں کی راہ ہموار کر دی۔

**بھارت نے کھیل میں سیاست اور تصادم کو ہمیشہ مقدم رکھا لاہور میں سری لنکا ٹیم کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا تو اس نے غیر جانبدار مقام پر کرکٹ کھیلنے کی راہ دکھا دی اور جب سے اب تک اس کی ہڈ دھرمی، دوغلی پالیسی کا سلسلہ جاری ہے ایشیا کپ میں پہلگام ڈرامہ پر نہ صرف پاکستانی ٹیم کو نیچا دکھانے کے لیے ہاتھ نہیں ملایا گیا بلکہ ایشین کرکٹ کے سربراہ محسن نقوی سے فاتح ٹرافی لینے سے انکار کر دیا۔**

بھارتی کرکٹ بورڈ، آئی سی۔سی کے حوالے سے اپنے آپ کو کرکٹ کا ٹھیکیدار جانتے ہوئے غرور و تکبر کا شکار تھا جسے پاکستان کرکٹ بورڈ اور حکومت پاکستان نے ایک ٹھوکر سے خاک میں ملا دیا۔ پاکستان کھیل کو نہ صرف کھیل ہی سمجھتا ہے بلکہ اس کا مضبوط موقف ہے کہ کھیل کے

میدانوں کو سیاست اور تصادم سے پاک رکھا جائے، ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ 2026 مستقبل کے لیے ایک ایسی مثال ثابت ہوگا جس کی بنیاد پر آئندہ بھارتی کرکٹ بورڈ اور آئی۔سی۔سی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچیں گے۔اس لیے کہ پاکستان نے اپنے نقصان کی پرواہ کیے بغیر اصولی موقف اختیار کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ہم اصولوں کے پابند اور کھیل کو سپورٹس مین سپرٹ کے جذبے سے دیکھتے ہی نہیں کھیلتے ہیں اور دنیا سے بھی اسی کی توقعات رکھتے ہیں تا کہ کھیل میں سیاست اور تصادم کے تمام امکانات کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کیا جا سکے۔

یہ فیصلہ بھی بھارتی حکومت اور کرکٹ بورڈ کا تھا کھلاڑیوں کا ہرگز نہیں، کیونکہ وہ کھیل میں پاکستان سے تصادم کا سلسلہ دلی طور پر ختم کرنے کو تیار نہیں، ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ 2026 کے بائیکاٹ اور بھارت سے بطور احتجاج نہ کھیلنے کا پاکستانی فیصلہ بظاہر بنگلہ دیش کی درخواست قبول نہ کرنے اور اسے اس کے حق سے محروم کرنے کا برادرانہ ردعمل ہی نہیں، بھارت اور آئی۔سی۔سی کو سبق سکھانے کی کوشش تھی جس میں پاکستان 100 فیصد کامیاب رہا۔

پاکستان کے لیے ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ 2026 کی حالیہ صورتحال کسی چیلنج سے کم نہ تھی لیکن پاکستان کرکٹ بورڈ کے صدر محسن نقوی کی حکمت عملی اور وزیراعظم پاکستان شہباز شریف کی مشاورت نے رنگ دکھا دیا انہوں نے جذبات اور کھیل کے اصولوں میں توازن رکھتے ہوئے بھارتی کرکٹ بورڈ اور آئی۔سی۔سی کو صرف ایک حکومتی پیغام سے دن میں تارے دکھا دیے۔فیصلہ آئی۔سی۔سی سے اپنے مضبوط اور اصولی موقف کی وجہ سے سامنے آ گیا قوم خوش، بھارتی عوام راضی کہ اب پاکستان کے فیصلے سے ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ میں دو حریف ایک سے زیادہ مرتبہ آمنے سامنے آسکیں گے اور دنیا بھر کے کرکٹ شائقین کو اچھی اور معیاری کرکٹ کا کانٹے دار مقابلہ نہ صرف دیکھنے کو ملے گا بلکہ مستقبل میں بھی اس مثبت فیصلے کے نتائج سے اچھی کرکٹ ہوگی یقیناً کرکٹ کے موجودہ حالات اور اس کی تاریخ پاکستان اور بھارت کو ہی نہیں دنیا کرکٹ کے ممالک کو یہ سمجھا رہی ہے کہ کھیل کو کھیل ہی رہنے دو، عوامی تفریح میں سیاسی رنگ نہ بھرو۔اسے کسی بھی حالت میں جنگ اور تصادم کا میدان نہ بناؤ، نہ ہی اسے کوئی یرغمال بنانے کی کوشش کرے بلکہ ہر ٹیم سپورٹس مین سپرٹ کے لازوال جذبے سے سرشار ہو کر میدان میں اترے۔ہار جیت اور اختلافات اپنی جگہ، کھیل کے میدانوں سے منہ نہ موڑا جائے پاکستان نے ایسا کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ مضبوط موقف اور استقامت سے حق دلایا اور لیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ کھیل اور کھلاڑی کے وقار کو سمجھتا ہے اس سلسلے میں پی۔سی۔بی کے چیئرمین محسن نقوی کا یہ کہنا ہے کہ پاکستان کا بھارت سے میچ کھیلنا اور آئی۔سی۔سی کا ہمارا موقف اور بنگلہ دیش کا حق تسلیم کرانا اصل مقصد تھا لوگ اسے پاکستان کی جیت قرار دے رہے لیکن میں اسے اصولوں اور کرکٹ کی بقا کی فتح سمجھتا ہوں۔

# ہماری مطبوعات

| قیمت امریکی ڈالر | قیمت پاکستانی روپے | زبان | مطبوعات | نمبر شمار |
|---|---|---|---|---|
| $-05 | 150/- | انگریزی | قائداعظم محمد علی جناح خطبات و بیانات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (مجلد) | 1 |
| $-05 | 150/- | انگریزی | قائداعظم محمد علی جناح خطبات و بیانات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک) | 2 |
| $-17 | 350/- | اردو | قائداعظم محمد علی جناح خطبات و بیانات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک) | 3 |
| $-17 | 350/- | انگریزی | قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (مجلد) | 4 |
| $-17 | 350/- | انگریزی | قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (پیپر بیک) | 5 |
| $-04 | 100/- | انگریزی | قائداعظم کے سنہری اقوال | 6 |
| $-03 | 50/- | انگریزی | اقوال قائد (پیپر بیک) | 7 |
| $-15 | 400/- | انگریزی | قائداعظم کے بانی محمد علی جناح | 8 |
| $-10 | 250/- | انگریزی | جناح کا دور (ڈرائنگ بک) | 9 |
| $-10 | 250/- | اردو | مادرِ ملت سوانح حیات | 10 |
| $-10 | 250/- | اردو | مادرِ ملت تصویری البم | 11 |
| $-04 | 200/- | انگریزی | پاکستان ویژول کرانیکل | 12 |
| $-17 | 450/- | انگریزی | پاکستان کرانولوجی 1947ء تا 2006ء (چہار جلدیں) | 13 |
| $-15 | 400/- | انگریزی | پاکستان کرانولوجی 1947ء تا 2006ء (پیپر بیک)(چہار جلدیں) | 14 |
| | 250/- | انگریزی | پاکستان منظر نامہ | 15 |
| $-02 | 50/- | انگریزی | پاکستان۔ بنیادی حقائق | 16 |
| $-120 | 2000/- | انگریزی | آئیے پاکستان ایک طائرانہ نظر | 17 |
| $-20 | 1000/- | انگریزی | پاکستان۔ [illegible] | 18 |
| $-20 | 500/- | انگریزی، عربی، فرانسیسی، چینی | پاکستان آئینی مسودہ [illegible] (پیپر بیک ایڈیشن) | 19 |
| $-125 | 2500/- | انگریزی | اوشن ہیریٹیج ایوارڈز | 20 |
| | 60/- | انگریزی | چوٹیوں کے ... | 21 |
| $-12 | 200/- | انگریزی | وائلڈ لائف | 22 |
| $-08 | 200/- | انگریزی | ٹرک آرٹ | 23 |
| $-04 | 100/- | انگریزی | گندھارا آرٹ ان پاکستان (ڈاکٹر احمد حسن دانی) | 24 |
| $-04 | 100/- | انگریزی | مسلم آرٹ اینڈ ہیریٹیج آف پاکستان (ڈاکٹر احمد حسن دانی) | 25 |
| $-01 | 15/- | اردو | اسلامی معاشرتی اقدار | 26 |
| $-04 | 100/- | اردو | دستِ افکار (علامہ اقبال کی شاعری سے انتخاب) | 27 |
| $-50 | 615/- | انگریزی | رحمت کا رشتہ (عبدالستار ایدھی) | 28 |
| $-60 | 500/- | اردو | ماہِ نو غالب (خصوصی ایڈیشن) | 29 |
| $-17 | 350/- | اردو | ماہِ نو اقبال (خصوصی ایڈیشن) | 30 |
| $-60 | 500/- | اردو | ماہِ نو قائداعظم (خصوصی ایڈیشن) | 31 |
| $-60 | 500/- | اردو | ماہِ نو فیض (خصوصی ایڈیشن) | 32 |
| $-60 | 500/- | اردو | ماہِ نو احمد فراز (خصوصی ایڈیشن) | 33 |
| $-60 | 400/- | اردو | ماہِ نو احمد ندیم قاسمی (خصوصی ایڈیشن) | 34 |
| $-60 | 500/- | اردو | ماہِ نو جالب نمبر (خصوصی ایڈیشن) | 35 |
| $-60 | 400/- | اردو | ماہِ نو جوش (خصوصی ایڈیشن) | 36 |
| $-60 | 400/- | اردو | ماہِ نو انتخاب نظم (خصوصی ایڈیشن) | 37 |
| $-60 | 400/- | اردو | ماہِ نو انتخاب 2018ء (خصوصی ایڈیشن) | 38 |
| $-15 | 400/- | اردو | ماہِ نو سرسید احمد خان (خصوصی ایڈیشن) | 39 |
| $-60 | 400/- | اردو | ماہِ نو محسن نقوی (خصوصی ایڈیشن) | 40 |
| | 100/- فی شمارہ | اردو | ماہِ نو (ماہنامہ)(گذشتہ شمارے) | 41 |
| | | اردو | ماہِ نو (ماہنامہ)(آن لائن) | 42 |
| | 10/- | اردو | پاک جمہوریت (ارمغانِ کرم)(خصوصی ایڈیشن) | 43 |
| | 100/- فی شمارہ | اردو | پاک جمہوریت (ماہنامہ)(گذشتہ شمارے) | 44 |
| | | اردو | پاک جمہوریت (ماہنامہ)(آن لائن) | 45 |
| $-120 | 200/- | انگریزی | پاکستان کیلنڈر | 46 |

رابطہ برائے خریداری

مینیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز، بی۔ ایف بلڈنگ، زیرو پوائنٹ، اسلام آباد، پاکستان۔ فون: 051-9252182 فیکس: 051-9252176

DIRECTORATE OF ELECTRONIC MEDIA AND PUBLICATIONS

ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز، اسلام آباد

ریجنل آفس: 291اے، ایم اے جوہر ٹاؤن لاہور۔